ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 476

Program: B.A

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: فلسفہ شریعتِ اسلام(476) • سطح: بی اے

سمسٹر: خزاں2026ء

امتحانی مشق نمبر 1

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 40

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

(مطالعہ وحوالہ کے لیے)

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کا مطالعہ کریں اور جوابات اپنے الفاظ میں لکھیں، تاکہ اصل امتحانی مشق میں ان کی اپنی سمجھ اور تحریر جھلکے۔

سوال نمبر 1: الابتداءوالخلق والتدبیر (20 نمبر)

سوال نمبر1: الابتداءوالخلق والتدبیر پر نوٹ لکھیں۔(20)

تعارف

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں شریعت کے احکام اور عبادات کے اسرار بیان کرنے سے پہلے چند کلی مباحث کو بنیاد بنایا ہے، کیونکہ جب تک کائنات کی حقیقت، انسان کی پیدائش اور اس عالم کے نظامِ تدبیر کو نہ سمجھا جائے، احکام کی حکمتیں پوری طرح سمجھ میں نہیں آتیں۔ انہی بنیادی مباحث میں سے ایک اہم بحث "الابتداء والخلق والتدبیر" ہے، جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ اس کائنات کا آغاز کیسے ہوا، مخلوقات کی تخلیق کس ترتیب سے عمل میں آئی، اور پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس عالم کی تدبیر و نگرانی کس طرح فرماتا ہے۔

یہ بحث دراصل تین سوالات کا جواب ہے: یہ عالم کہاں سے آیا؟ مخلوقات کس طرح وجود میں آئیں؟ اور وجود میں آنے کے بعد یہ نظام کس کے انتظام سے چل رہا ہے؟ شاہ صاحب نے ان سوالات کو محض فلسفیانہ انداز میں نہیں بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں حل کیا ہے، اور ساتھ ساتھ ان غلط فہمیوں کی بھی اصلاح کی ہے جو بعض فلسفیوں اور متکلمین کے ہاں پائی جاتی تھیں۔ اس نوٹ میں تینوں عنوانات کو الگ الگ بیان کیا جائے گا۔

ابتداء کا مفہوم اور کائنات کا آغاز

ابتداء سے مراد کسی چیز کے وجود کا آغاز ہے۔ کائنات کے بارے میں بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ یہ عالم حادث ہے، یعنی ایک وقت تھا جب یہ موجود نہیں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے عدم سے وجود بخشا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم اور واجب الوجود ہے، اس کے سوا ہر چیز ممکن الوجود اور حادث ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک تخلیق کا یہ آغاز اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کے حکم "کن" سے ہوا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے کہتا ہے "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مخلوق کی پیدائش کسی مادے کے محتاج ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ خالق کے کامل اختیار و قدرت سے ہے۔

شاہ صاحب یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے زمانہ کی قید نہیں ہے؛ زمانہ خود مخلوق ہے، لہٰذا یہ سوال کہ تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ کیا کر رہا تھا، ایک بے محل سوال ہے۔ ابتداء کی بحث کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جن چیزوں کو پیدا فرمایا ان میں نور، قلم اور ارواح جیسی لطیف مخلوقات کا ذکر احادیث میں آتا ہے، اور شاہ

صاحب انہی روایات کی روشنی میں بیان کرتے ہیں کہ تخلیق کا سلسلہ لطیف عوالم سے کثیف عوالم کی طرف بڑھا۔ اس تسلسل کو سمجھنے سے انسان کو اپنی اصل اور اپنے انجام دونوں کا شعور حاصل ہوتا ہے۔

خلق: تخلیق کے مراتب اور انواع کی پیدائش

خلق سے مراد ہر موجود کو اس کی مخصوص صورت، مقدار اور کیفیت کے ساتھ پیدا کرنا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک تخلیق ایک ہی دفعہ کا ساکت عمل نہیں بلکہ ایک مرحلہ وار نظام ہے۔ پہلے مرحلے میں ارواح اور لطیف حقائق پیدا ہوئے، پھر عالمِ مثال میں اشیاء کی صورتیں متعین ہوئیں، اور پھر عالمِ شہادت میں اجسام و انواع وجود میں آئیں۔ ہر نوع کو اس کی خاص فطرت اور استعداد کے مطابق پیدا کیا گیا؛ فرشتوں کو نور سے، جنوں کو آگ سے اور انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کا ذکر اسی تنوع کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

انسان کی تخلیق اس نظام کا نقطۂ عروج ہے، کیونکہ انسان میں مادی و روحانی دونوں جہانوں کی خصوصیات جمع کر دی گئی ہیں۔ جسم مٹی سے، روح امرِ الٰہی سے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نوع کے اندر اس کی بقا اور افزائش کا نظام بھی رکھ دیا، اور انسان کو عقل، ارادہ اور اختیار کی وہ نعمت عطا کی جو اسے اشرف المخلوقات بناتی ہے۔ یہی اختیار اس کی آزمائش اور تکالیفِ شرعیہ کی بنیاد ہے۔ تخلیق کی یہ ترتیب بتاتی ہے کہ کائنات کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ حکمت و مقصد کے ساتھ بنی ہوئی ایک مربوط کائنات ہے۔

تدبیر: کائنات کا انتظامی نظام

تدبیر سے مراد پیدا کرنے کے بعد مخلوقات کے معاملات چلانا، انہیں ان کے مقاصد کی طرف لے جانا اور ان کی ضروریات کا انتظام کرنا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ صرف خالق ہی نہیں بلکہ مدبر بھی ہے؛ سورج، چاند، ہوائیں، بارش، رزق کی تقسیم، موت و حیات، یہ سب اسی کی تدبیر کے مظاہر ہیں۔ قرآن مجید میں "یدبر الامر" کی تعبیر اسی حقیقت کو بیان کرتی ہے۔ تدبیر کا نظام اسباب کے ذریعے چلتا ہے: اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا فرمائے اور مسببات کو ان سے جوڑ دیا، تاکہ عالم ایک باقاعدہ قانون کے تحت چلے اور انسان اسباب اختیار کرنے کی تربیت پائے۔

تدبیر کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر جزئیات تک محیط ہے؛ کوئی ذرہ اس کے علم و اختیار سے باہر نہیں۔ ساتھ ہی تدبیر میں فرشتوں کو واسطہ بنایا گیا ہے جو احکامِ الٰہی کی تنفیذ پر مامور ہیں، مگر اصل متصرف اور مدبرِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ شاہ صاحب اس بحث میں ان لوگوں کی غلطی واضح کرتے ہیں جو اسباب کو مستقل مؤثر سمجھ بیٹھتے ہیں یا ستاروں اور طبیعت کو خود مختار مدبر مان لیتے ہیں؛ یہی وہ مقام ہے جہاں سے شرک کی راہیں پھوٹتی ہیں۔ مؤمن کا عقیدہ یہ ہے کہ سبب وسیلہ ہے، مؤثرِ حقیقی اللہ ہے۔

ان مباحث کا شریعت اور انسانی زندگی سے تعلق

اب سوال یہ ہے کہ شریعت کی کتاب میں ان کلامی مباحث کی کیا ضرورت تھی؟ شاہ ولی اللہ کا جواب یہ ہے کہ احکام کی حکمتیں اسی وقت دل میں اترتی ہیں جب بندے کو یہ یقین ہو کہ حکم دینے والا اس کا خالق بھی ہے، مدبر بھی ہے اور اس کی مصلحتوں کو سب سے بہتر جاننے والا بھی۔ جو انسان یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا، اس کی فطرت بنائی اور کائنات اس کی خدمت و آزمائش کے لیے مسخر کی، وہ عبادت کو بوجھ نہیں بلکہ شکر اور تعلق کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

عملی زندگی میں اس بحث کے کئی ثمرات ہیں: انسان غرور سے بچتا ہے کیونکہ اپنا وجود بھی عطیہ الٰہی سمجھتا ہے؛ مایوسی سے بچتا ہے کیونکہ مدبر کی رحمت پر بھروسا رکھتا ہے؛ اور ذمہ داری کا شعور پاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ خالق نے اسے زمین میں خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ یوں ابتداء، خلق اور تدبیر کا عقیدہ محض نظری علم نہیں بلکہ پوری دینی زندگی کی بنیاد ہے، اور حجۃ اللہ البالغہ کے بعد کے تمام مباحث اسی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ "الابتداء والخلق والتدبیر" کا مبحث ہمیں بتاتا ہے کہ کائنات اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے، اس کا آغاز اسی کے حکم سے ہوا، ہر نوع اپنی فطرت و استعداد کے ساتھ وجود میں آئی، اور پیدا ہونے کے بعد یہ نظام اللہ تعالیٰ ہی کی تدبیر و ربوبیت سے چل رہا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اس بحث سے توحیدِ ربوبیت کی بنیاد مضبوط کی اور اسباب پر توکل کے صحیح مقام کو واضح کیا۔ جو طالب علم اس مبحث کو اچھی طرح سمجھ لے، اس کے لیے شریعت کے اسرار و حکمتوں کا دروازہ کھل جاتا ہے، کیونکہ اسے ہر حکم کے پیچھے اپنے خالق و مدبر کی حکمت نظر آنے لگتی ہے۔

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

سوال نمبر2: لوگوں کی جبلت کے اختلاف کے اثرات(20نمبر)

سوال نمبر2: حجۃ اللہ البالغہ کی روشنی میں لوگوں کی جبلت کے اختلاف کے اثرات پر نوٹ لکھیں(20)

تعارف

حجۃ اللہ البالغہ کے اہم کلی مباحث میں سے ایک یہ ہے کہ تمام انسان ایک جیسی جبلت اور ایک جیسی استعداد لے کر پیدا نہیں ہوتے۔ جبلت سے مراد انسان کی وہ فطری ساخت اور پیدائشی رجحانات ہیں جن میں مزاج کی گرمی و سردی، عقل کی تیزی و کندی، قوتِ غضب و شہوت کی کمی و زیادتی اور مختلف کاموں کی طبعی صلاحیت شامل ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف کوئی اتفاق یا بے مقصد تنوع نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے، اور انسانی زندگی کے تقریباً ہر شعبے پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اس نوٹ میں پہلے جبلت کے اختلاف کی حقیقت اور اس کی اقسام بیان کی جائیں گی، پھر انفرادی زندگی، اخلاق و عبادت، معاشرت، تمدن، اور شریعت کے احکام پر اس کے اثرات کا جائزہ لیا جائے گا۔

جبلت کے اختلاف کی حقیقت اور اقسام

شاہ ولی اللہ کے نزدیک انسان کی شخصیت چند بنیادی قوتوں سے مرکب ہے: قوتِ عاقلہ جو سوچتی اور سمجھتی ہے، قوتِ غضبیہ جو مقابلے اور دفاع کی صلاحیت دیتی ہے، اور قوتِ شہویہ جو حصولِ لذت و بقا کی طرف مائل کرتی ہے۔ ان قوتوں کا تناسب ہر انسان میں مختلف ہوتا ہے؛ کسی میں عقل غالب ہوتی ہے، کسی میں غصہ تیز ہوتا ہے، کوئی طبعاً نرم اور کوئی سخت مزاج ہوتا ہے۔ اسی طرح جسمانی مزاج بھی ہر شخص کا الگ ہوتا ہے، اور آب و ہوا، خطے اور ماحول کی جبلت پر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی واقعہ پر دس آدمیوں کے ردعمل دس طرح کے ہوتے ہیں۔

شاہ صاحب اس اختلاف کو نوعِ انسانی کی فطرت (جبلتِ نوعیہ) اور افراد کی ذاتی جبلت (جبلتِ شخصیہ) میں تقسیم کر کے بیان کرتے ہیں۔ نوع کی حیثیت سے سب انسان ایک ہی فطرت رکھتے ہیں، اس لیے اصل شرعی خطاب سب کے لیے یکساں ہے؛ لیکن شخصی جبلتوں کے اختلاف کی وجہ سے استعداد، ذوق اور صلاحیت میں فرق آجاتا ہے۔ شریعت نے اس فرق کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ اپنی رعایتوں اور تدریجی احکام میں اسے پوری طرح ملحوظ رکھا ہے۔

انفرادی اخلاق و عبادت پر اثرات

جبلت کے اختلاف کا پہلا اور نمایاں اثر انسان کے اخلاق اور ذوقِ عبادت پر پڑتا ہے۔ طبعاً بزدل اور بہادر آدمی جہاد و دفاع کے کاموں میں سبقت لے جاتا ہے، نرم دل آدمی خدمت و ایثار میں آگے رہتا ہے، اور ذہین آدمی علم و تدبر میں لذت پاتا ہے۔ اسی لیے عبادات میں بھی لوگوں کے ذوق مختلف ہوتے ہیں: کوئی نماز میں طویل قیام سے سکون پاتا ہے، کوئی روزوں سے، کوئی صدقہ و سخاوت سے۔ شریعت نے اسی لیے نفلی عبادات کے دروازے متنوع رکھے ہیں تاکہ ہر جبلت کا حامل اپنے ذوق کے راستے سے اپنے رب تک پہنچ سکے۔

دوسری طرف اگر جبلی رجحان قابو سے باہر ہو جائے تو اخلاقی خرابی پیدا ہوتی ہے: شدید قوتِ غضبیہ ظلم و جبر بن جاتی ہے، غالب شہوت بدکاری کی راہ لیتی ہے، اور کمزور عقل اندھی تقلید یا جہالت کو جنم دیتی ہے۔ نیکی و بدی کی جدوجہد دراصل انہی جبلی قوتوں کو اعتدال پر لانے کا نام ہے۔ اس سے یہ اصول بھی نکلتا ہے کہ تربیت کا ایک ہی نسخہ سب کے لیے موزوں نہیں؛ مبلغ و مربی کو ہر شخص کی جبلت دیکھ کر اس کی اصلاح کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

معاشرت و تمدن پر اثرات

معاشرتی زندگی جبلت کے اختلاف کے بغیر قائم ہی نہیں رہ سکتی۔ ایک معاشرے کو کسان بھی چاہیے، سپاہی بھی، عالم بھی، تاجر بھی، کاریگر بھی اور منتظم بھی۔ اگر سب انسان ایک ہی صلاحیت کے ہوتے تو تمدن کا یہ تنوع ختم ہو جاتا اور زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتی۔ شاہ ولی اللہ نے ارتفاقات کی بحث میں اسی نکتے کو اجاگر کیا ہے کہ پیشوں کی تقسیم، باہمی محتاجی اور تعاون کی بنیاد دراصل جبلتوں اور استعدادوں کا یہی اختلاف ہے۔ ایک کی کمی دوسرے کی زیادتی سے پوری ہوتی ہے اور یوں معاشرہ ایک جسم کی طرح کام کرتا ہے۔

اسی اختلاف سے قوموں کے مزاج بھی بنتے ہیں؛ کسی خطے کے لوگ تجارت میں ماہر ہوتے ہیں، کسی کے جنگ و حکومت میں، کسی کے علم و حکمت میں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں جن قوموں کو ملیں، ان کے مزاج اور حالات کی رعایت ان میں نظر آتی ہے۔ تاہم جب جبلی اختلاف تکبر، نسلی امتیاز اور طبقاتی ظلم کی صورت اختیار کر لے تو یہی نعمت فساد کا سبب بن جاتی ہے؛ اس لیے اسلام نے فضیلت کا معیار نسل و جبلت کے بجائے تقویٰ کو قرار دیا۔

احکامِ شریعت پر اثرات

شریعت کے کئی احکام کی حکمت جبلت کے اختلاف ہی سے سمجھ میں آتی ہے۔ اول یہ کہ تکلیف انسان کی استعداد کے مطابق رکھی گئی ہے؛ بیمار اور مسافر کے لیے روزے میں رخصت، مجبور کے لیے آسانیاں، یہ سب اسی اصول کی فرع ہیں۔ دوم یہ کہ احکام میں عزیمت و رخصت دونوں راستے رکھے گئے ہیں تاکہ مضبوط اور کمزور استعداد والے دونوں شریعت کی چھاؤں میں رہ سکیں۔ سوم یہ کہ ممانعت و اباحت کے کئی مسائل میں لوگوں کے حالات دیکھ کر فقہاء کے ہاں تفصیل ملتی ہے، اس کی جڑ بھی انسانی جبلتوں اور معاشرتی عادات کے فرق ہی میں ملتی ہے۔

یہ بھی اہم ہے کہ جبلت کا اختلاف بہانے کی بنیاد نہیں بن سکتا کہ انسان اپنی بد عملی کو فطرت کے کھاتے میں ڈال دے۔ شریعت نے حدود سب کے لیے یکساں رکھی ہیں، جب کہ اضافی فضیلت کے دروازے ہر ایک کے لیے اس کی استعداد کے مطابق کھلے چھوڑے ہیں۔ اس توازن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کے نزدیک جبلت کا اختلاف انسان کو مجبورِ محض نہیں بناتا بلکہ اس کی میدانِ عمل اور ذمہ داری کی نوعیت متعین کرتا ہے، اور اجر بھی اسی محنت پر ملتا ہے جو اپنی جبلت کے ساتھ جہاد کر کے کی جائے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک لوگوں کی جبلت کا اختلاف اللہ تعالیٰ کی با مقصد حکمت ہے جس کے اثرات اخلاق، عبادت، پیشوں، تمدن اور احکامِ شریعت تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہی اختلاف معاشرتی تعاون کی بنیاد بھی ہے اور انفرادی ذوق و رجحان کی بھی۔ شریعت اس اختلاف کا خاتمہ نہیں چاہتی بلکہ اسے اعتدال، عدل اور تقویٰ کے

تابع کر کے نوعِ انسانی کی بھلائی کا ذریعہ بناتی ہے۔ طالب علم کے لیے اس مبحث کا سبق یہ ہے کہ وہ دوسروں کو اپنی جبلت کے پیمانے سے ناپنے کے بجائے ہر شخص کو اس کی فطرت کے مطابق سمجھے اور یہی رویہ دین کی دعوت و تربیت میں کامیابی کی کنجی ہے۔

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

سوال نمبر 3: سنت اللہ (20 نمبر)

سوال نمبر 3: حجۃ اللہ البالغہ کی روشنی میں سنت اللہ پر نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

"سنت اللہ" سے مراد وہ اٹل قوانین اور مقررہ طریقے ہیں جن کے تحت اللہ تعالیٰ کائنات اور انسانی معاشروں کے معاملات چلاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس تعبیر کو بار بار استعمال کیا ہے اور صاف اعلان کیا ہے: "فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا" یعنی تم اللہ کی سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی یا پھیر اؤ نہیں پاؤ گے۔ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس اصول کو اپنی فکر کی بنیادوں میں رکھا ہے، کیونکہ شریعت کے احکام، اقوام کے عروج و زوال اور [illegible] سب کی سمجھ اسی سے وابستہ ہے۔

اس نوٹ میں سنت اللہ کی تعریف، اس کی اقسام، شاہ صاحب کی بیان کردہ اجتماعی و اخلاقی سنن، اور انسانی زندگی کے لیے اس کے عملی نتائج بیان کیے جائیں گے۔

سنت اللہ کی تعریف اور قرآنی بنیاد

سنت کے لغوی معنی راستہ اور طریقہ ہیں؛ جب یہ نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مراد اللہ کا وہ مقرر کردہ ضابطہ ہے جس کے مطابق عالم میں واقعات پیش آتے ہیں۔ قرآن مجید نے پچھلی امتوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کو بار بار "سنت اللہ" کہہ کر بیان کیا ہے: نافرمان قوموں پر عذاب، مومنین کی مدد، مہلت دینے کے بعد پکڑ، یہ سب کسی کے ذاتی لطف و غصے پر مبنی وقتی فیصلے نہیں بلکہ طے شدہ قانون کے نتائج بیان کیے گئے ہیں۔ اسی بنا پر قرآن اگلی نسلوں کو ماضی کے واقعات سے یکساں سبق لینے کی دعوت دیتا ہے، کیونکہ قانون یکساں ہو تو نتائج بھی یکساں اصول پر ظاہر ہوتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ سنت اللہ کی معرفت دراصل اس عالم کی حقیقت کی معرفت ہے۔ جس طرح طبیعات کے قوانین ثابت ہیں، اسی طرح اخلاقی و اجتماعی قوانین بھی ثبت شدہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت، وحی کا نزول، دین کی حفاظت اور سچے مطالبے کی تائید بھی انہی سنن کے تحت ہے۔ لہٰذا دین کو وقتی معجزات و واقعات کا مجموعہ سمجھنے کے بجائے اس اٹل نظام کے اندر سمجھنا ہی حجۃ اللہ کا منہج ہے۔

سنت اللہ کی اقسام

شاہ صاحب کی تشریح کے مطابق سننِ الٰہی کو چند بڑی قسموں میں سمجھا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم کونی و طبیعی سنتیں ہیں: آگ کا جلانا، پانی کا بہاؤ، بیج کا اگنا، بیماری و شفا کے اسباب، یہ سب مقررہ قانون سے چلتے ہیں اور مؤمن و کافر کے لیے یکساں ہیں۔ دوسری قسم انسانی فطرت کی سنتیں ہیں: بھوک، محبت، غصہ، خوف اور سماجی میل جول کی چاہت انسانی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہیں اور شریعت کے احکام انہی فطری تقاضوں کو پورا کرنے یا قابو میں رکھنے کے لیے آئے ہیں۔

تیسری قسم اجتماعی و تاریخی سنتیں ہیں، جو اس نوٹ کا اصل موضوع ہیں: جس معاشرے میں عدل قائم ہو وہ ترقی کرتا ہے، جہاں ظلم و فساد عام ہو وہ زوال کا شکار ہوتا ہے؛ قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتی جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی نہ لائے۔ چوتھی قسم دینی و روحانی سنتیں ہیں: دعا کی قبولیت کے اسباب، گناہوں کے اثرات، توبہ سے بخشش، یہ نظام بھی ضابطے سے خالی نہیں۔ شاہ ولی اللہ کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے شریعت کے احکام کو انہی سنن کے ساتھ جوڑ کر دکھایا، چنانچہ ہر حکم کی حکمت کائنات کے عمومی قانون کی روشنی میں نظر آنے لگی۔

اجتماعی عروج و زوال میں سنت اللہ

تاریخ کی سب سے بڑی سنت یہ ہے کہ قوموں کی زندگی ان کے اجتماعی اعمال سے جڑی ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک جب کسی قوم میں ارتفاقات کا نظام درست چلتا ہے، عدل قائم رہتا ہے، اہلِ فضل کی قدر ہوتی ہے اور ظلم کی روک تھام موجود ہوتی ہے تو وہ قوم عزت و اقتدار پاتی ہے۔ جب لذت پرستی، خود غرضی، عدل سے بغاوت اور امانت

میں خیانت عام ہو جائے تو وہی قوم اندر سے کھوکھلی ہو کر دوسری قوم کے آگے گر پڑتی ہے۔ یہ سقوط کسی ایک حادثے کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ برسوں کے اجتماعی کردار کا فطری پھل ہوتا ہے۔

اسی سنت کی روشنی میں شاہ صاحب نے اپنے عہد کے مسلمانوں کی حالت کو بھی دیکھا تھا، جب مغلیہ سلطنت زوال پذیر تھی اور سماج میں بدامنی و اضطراب پھیل رہا تھا۔ ان کی اصلاحی تحریک اور ان کی کتابیں دراصل یہی پیغام دیتی ہیں کہ نجات کسی معجزے کے انتظار میں نہیں بلکہ سننِ الٰہی کے مطابق اپنے اعمال درست کرنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ایک سنت سے مشروط ہے: سچی محنت، اتحاد، عدل اور دین پر استقامت۔ اس سے یہ غلط فہمی بھی دور ہو جاتی ہے کہ نسبتِ مذہب ہی کسی قوم کو دنیاوی قانون سے مستثنیٰ کر دیتی ہے۔

سنت اللہ کے عملی نتائج اور فوائد

اس اصول کے ماننے سے زندگی میں کئی عملی فائدے پیدا ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ انسان اسباب اختیار کرتا ہے اور بے عملی کو توکل کا نام نہیں دیتا، کیونکہ سنت یہی ہے کہ نتائج اسباب سے جڑے ہیں۔ دوسرا یہ کہ انسان غرور سے پاک رہتا ہے، کیونکہ کامیابی کو وہ اپنا کمال نہیں بلکہ قانونِ الٰہی کے تحت ملا ہوا انعام سمجھتا ہے۔ تیسرا یہ کہ ناکامی میں مایوسی نہیں ہوتی؛ سنت اللہ یہ بھی ہے کہ حالت بدلتی رہتی ہے اور سچی جدوجہد آخرکار پھل لاتی ہے۔

چوتھا بڑا فائدہ یہ ہے کہ دعوت و اصلاح کا کام حقیقت پسندانہ ہو جاتا ہے: داعی وقتی جذبات کے بجائے انسانی فطرت اور سماجی قوانین کو سامنے رکھ کر تبدیلی کی کوشش کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ کی پوری اصلاحی فکر اسی اصول پر کھڑی ہے کہ جو سننِ الٰہی کو سمجھ کر چلے، دین بھی اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے اور دنیا بھی سنور جاتی ہے۔ خرافات، توہم پرستی اور جاہلی رسوم کی جڑ بھی اسی سے کٹتی ہے، کیونکہ ہر واقعے کو شامت یا قسمت کے اندھے کھاتے میں ڈالنے کے بجائے اسباب و قانون کی نگاہ سے دیکھا جانے لگتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ سنت اللہ اللہ تعالیٰ کے ان اٹل قوانین کا نام ہے جن سے کائنات، انسانی فطرت اور اقوام کی تاریخ چل رہی ہے اور جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں دکھایا کہ شریعت انہی سنن کے خلاف نہیں بلکہ ان کی راہنمائی اور تکمیل ہے؛ ہر حکم اپنی حکمت میں کسی فطری یا اجتماعی قانون سے جڑا ہوا ہے۔ طالب علم کے لیے اس مبحث کا حاصل یہ ہے کہ وہ زندگی کے واقعات کو سنن الٰہی کی روشنی میں پرکھے، اسباب اختیار کرے، اپنے اعمال سنوارے اور اللہ کی مدد کو جذبات کے بجائے اسی کے مقررہ قانون کے مطابق تلاش کرے۔ یہی نظر دنیاوی عقل کی پختگی بھی ہے اور دینی بصیرت کی بنیاد بھی۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

سوال نمبر 4: اسباب المجازاۃ (20 نمبر)

سوال نمبر 4: اسباب المجازاۃ پر نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

"المجازاۃ" سے مراد اعمال کی جزا و سزا کا نظام ہے، اور "اسباب المجازاۃ" اس سوال کا جواب ہے کہ انسان کے اعمال کا بدلہ کس سبب اور کس واسطے سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ حجۃ اللہ البالغہ کے اہم مباحث میں سے ہے، کیونکہ جزا و سزا محض ایک اعتقادی دعویٰ نہیں؛ شاہ ولی اللہ نے باقاعدہ بیان کیا ہے کہ عمل اور اس کے بدلے کے درمیان کس کس قسم کے روابط قائم ہیں، دنیا میں بظاہر بہت سے نیک لوگ تکلیف میں اور بدکار عیش میں کیوں نظر آتے ہیں، اور اصل جزا کی تکمیل کہاں اور کیسے ہوتی ہے۔

اس نوٹ میں مجازاۃ کے مفہوم، اس کی بنیادی صورتوں، اور اس کے اسباب — نفس انسانی پر عمل کے اثرات، عالمِ مثال میں صورتوں کا ظہور، فرشتوں اور ارواح کی توجہ، اور اجتماعی اعمال کے اجتماعی نتائج — کو تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

مجازاۃ کا مفہوم اور اصل حقیقت

شاہ ولی اللہ کے نزدیک جزا کوئی بیرونی سزا نہیں جو عمل کے بعد باہر سے مسلط کی جائے، بلکہ عمل خود اپنے اندر اپنا نتیجہ رکھتا ہے۔ ہر عمل نفس میں ایک خاص کیفیت (ملکہ) پیدا کرتا ہے: نیک عمل سے نورانیت و صفائی پیدا ہوتی ہے اور برا عمل سے ظلمت و کدورت۔ دنیا میں یہ کیفیات چھپی رہتی ہیں، مگر موت کے بعد جب روح بدن کی کدورتوں سے چھٹتی ہے تو یہی کیفیات کھل کر سامنے آتی ہیں؛ یہی جنت و دوزخ کی اصل بنیاد ہے کہ انسان اصلاً اپنے ہی کمایا ہوا سامان پاتا ہے۔ قرآن مجید کی یہ تعبیر کہ "جو کچھ تم کماتے تھے اسی کا بدلہ دیا جائے گا" اسی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

اسی اصول سے اس سوال کا جواب بھی ملتا ہے کہ جزا میں تاخیر کیوں ہوتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ دنیا آزمائش کا گھر ہے، مکمل بدلہ کی جگہ نہیں؛ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت میں مہلت ہے تاکہ توبہ کا موقع باقی رہے؛ تیسری وجہ یہ کہ بہت سی جزائیں یہیں ظاہر بھی ہو جاتی ہیں، مگر انسان انہیں پہچانتا نہیں۔ شاہ صاحب اسی بنا پر دنیوی نعمت کو ہمیشہ رضا کی علامت اور دنیوی تکلیف کو ہمیشہ غضب کی علامت ماننے سے بھی روکتے ہیں۔

پہلا سبب: عمل کی تاثیر انسانی نفس پر

مجازاۃ کا سب سے پہلا اور قریبی سبب عمل کا نفس انسانی پر اثر ہے۔ جب انسان بار بار ایک کام کرتا ہے تو وہ اس کی عادت اور پھر اس کی طبیعت بن جاتا ہے۔ سچ بولنے والے کے دل میں سکون و اطمینان، جھوٹے کے دل میں اضطراب و بے چینی خود بخود پیدا ہوتی ہے؛ ظالم کے مزاج میں سختی، سخی کے مزاج میں نرمی و کشادگی بڑھتی ہے۔ یہ کیفیات اس دنیا میں بھی جزا کی ایک ابتدائی صورت ہیں اور آخرت میں یہی جزا مکمل صورت اختیار کرتی ہے۔ شاہ صاحب اسے یوں سمجھاتے ہیں کہ روح اعمال کے رنگ میں رنگی جاتی ہے اور یہی رنگ اس کی ابدی حالت کا تعین کرتا ہے۔

اسی سبب سے نیک اعمال کی ایک دنیوی جزا قلبی سکون، چہرے کی بشاشت، رزق میں برکت اور لوگوں کے دلوں میں محبت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، جب کہ گناہوں کی دنیوی جزا دل کی تنگی، ذہنی انتشار، نعمتوں کے باوجود بے اطمینانی اور کردار کی بے وقعتی کی صورت میں نظر آتی ہے۔ مگر یہ جزائیں عموماً اس قدر لطیف ہوتی ہیں کہ مادی نگاہ انہیں نظر انداز کر دیتی ہے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ مجازاۃ کا یہ سبب باقی تمام اسباب سے بنیادی ہے، کیونکہ باقی واسطے بھی اسی اندرونی کیفیت کو ظاہر کرنے کے ذرائع ہیں۔

دوسرا سبب: عالمِ مثال اور ارواح و فرشتوں کی توجہ

شاہ ولی اللہ کے نظام میں دوسرا سبب عالمِ مثال سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے نزدیک نیکی و بدی کی حقیقتیں عالمِ مثال میں خاص صورتیں رکھتی ہیں، اور انسان کے اعمال اسی عالم میں اپنی صورتوں کے ساتھ محفوظ ہوتے جاتے ہیں۔ موت کے بعد انسانی روح اسی عالم کے قریب ہو جاتی ہے، لہٰذا اعمال کی یہ صورتیں اس کے سامنے واضح ہو کر آتی ہیں؛ نماز،

روزہ اور صدقے کی نورانی صورتیں راحت کا ذریعہ بنتی ہیں اور ظلم، جھوٹ و خیانت کی تاریک صورتیں عذاب کا۔ برزخ کے احوال اور خواب میں اعمال کی شکلیں دیکھنا اسی نظام کی مثالیں ہیں۔

تیسرا تعلق فرشتوں اور ارواحِ طیبہ کی توجہ سے ہے۔ شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ نیک بندے کی طرف ملائکہ اور ملاءِ اعلیٰ کی توجہ منعطف ہوتی ہے؛ اس کے لیے دعائے خیر ہوتی ہے، اس کے کاموں میں برکت اور اس کی روح پر سکینہ کی بارش ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ظالم و بدکار سے عالمِ بالا کی توجہ ہٹ جاتی ہے اور اس پر لعنت و پھٹکار کی صورتیں مرتب ہوتی ہیں۔ اسی طرح دنیا میں بھی نیک لوگوں کی بددعا یا مظلوم کی آہ کا اثر اسی روحانی نظام سے جڑا ہوا ہے۔ یہ بیان محض ظاہری اسباب سے آگے بڑھ کر مجازاۃ کو ایک روحانی و کائناتی نظام کے طور پر سمجھاتا ہے۔

چوتھا سبب: اجتماعی اعمال اور دنیوی مکافات

مجازاۃ کا نظام صرف افراد تک محدود نہیں؛ قوموں اور معاشروں کے اعمال کا بدلہ اجتماعی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ جب کسی معاشرے میں ظلم، ناانصافی، سود، خیانت اور فحاشی عام ہو جائے تو اس کے اجتماعی نتائج بدامنی، خوف، مہنگائی، باہمی نفرت اور زوال کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، اور یہ بھی مجازاۃ ہی کی ایک صورت ہے۔ اسی طرح عدل، امانت اور صلہ رحمی کی برکات اجتماعی سکون و ترقی کی صورت میں ملتی ہیں۔ شاہ ولی اللہ اسے سنت اللہ کے باب سے جوڑتے ہیں کہ اجتماعی قانون بھی اٹل ہے۔

اسی باب میں دعا، صدقہ اور توبہ کا مقام بھی واضح ہوتا ہے: قرآن و حدیث بتاتے ہیں کہ صدقہ بری موت کو ٹالتا ہے اور دعا تقدیر کے بعض پہلوؤں کو بدلتی ہے۔ شاہ صاحب کی تشریح یہ ہے کہ یہ چیزیں مجازاۃ کے نظام سے باہر نہیں بلکہ اسی نظام کے اندر رکھے گئے علاج ہیں؛ جب بندہ توبہ و صدقے سے اپنی اندرونی کیفیت بدل لیتا ہے تو بدلے کی بنیاد ہی تبدیل ہو جاتی ہے۔ یوں مجازاۃ کا عقیدہ انسان کو جبری مایوسی کے بجائے عمل، توبہ اور اصلاح کی زندگی عطا کرتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ اسباب المجازاۃ کی بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ جزا و سزا کا نظام کئی جُڑے ہوئے اسباب پر قائم ہے: عمل کی نفس پر تاثیر سب سے بنیادی سبب ہے، عالمِ مثال میں صورتوں کا ظہور اس کا برزخی و اخروی رخ ہے، فرشتوں کی توجہ اس کی روحانی واسطگی ہے، اور اجتماعی مکافات اس کی دنیوی و تاریخی صورت۔ شاہ ولی اللہ نے اس بحث سے یہ ثابت کیا کہ بدلہ کوئی خودکار ظلم نہیں بلکہ عدل و حکمت پر مبنی ایک منظم نظام ہے جس کی پوری تکمیل آخرت میں ہوگی۔ طالب علم کے لیے اس کا سبق یہ ہے کہ وہ ہر عمل کو اس کے انجام کے ساتھ جوڑ کر دیکھے، کیونکہ انسان آخرکار وہی کاٹتا ہے جو بوتا ہے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

سوال نمبر 5: عالم المثال (20 نمبر)

سوال نمبر 5: حجۃ اللہ البالغہ کی روشنی میں عالم المثال پر نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

حجۃ اللہ البالغہ کے کلی مباحث میں "عالم المثال" کا مبحث خصوصی اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ جزا و سزا، خوابوں، وحی کی صورتوں، برزخ کے احوال اور دعا و اعمال کی تاثیرات جیسے کئی مسائل کی سمجھ اسی سے وابستہ ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نظامِ فکر میں عوالم تین ہیں: عالمِ ارواح جو خالص لطیف ہے، عالمِ اشباح یا عالمِ شہادت جو ہمارا یہ مادی جہان ہے، اور ان دونوں کے درمیان عالمِ مثال ہے جسے عالمِ خیال اور عالمِ برزخ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس نوٹ میں عالمِ مثال کی تعریف، اس کی خصوصیات، انسان سے اس کا تعلق اور دینی عقائد کی تفہیم میں اس کی اہمیت بیان کی جائے گی۔

عالمِ مثال کی تعریف اور مقام

عالمِ مثال اس عالم کو کہتے ہیں جس میں معانی اور روحانی حقائق جسمانی قالب کے بغیر مخصوص شکلوں و صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس عالم کی اشیاء محسوس اجسام کی طرح جگہ گھیرنے والی اور وزن رکھنے والی نہیں ہوتیں، مگر ان کی صورتیں اتنی واضح ہوتی ہیں کہ دیکھنے والا انہیں چشمِ سر کے مناظر کی طرح پاتا ہے۔ مثال کے طور پر نیکی، علم، سخاوت اور ظلم معانی ہیں، مگر خواب یا کشف میں یہی معانی نور، دریا، باغ یا آگ وغیرہ کی صورتوں میں نظر آ سکتے ہیں؛ وہ صورتیں جسم نہیں مگر محض بے صورت خیال بھی نہیں۔ یہی درمیانی کیفیت عالمِ مثال کی پہچان ہے۔

شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ عالم ارواح اور اجساد کے درمیان واسطہ ہے: ارواح جب اس مادی دنیا سے تعلق پیدا کرتی ہیں تو مثالی قالب اختیار کرتی ہیں، اور اسی واسطے سے خواب، وحی کے تمثیلی پہلو اور موت کے بعد کے احوال سمجھے جاسکتے ہیں۔ یہ کوئی نیا عقیدہ ایجاد کرنا نہیں بلکہ قرآن و حدیث میں مذکور بہت سے احوال — مثلاً قبر کا باغ یا گڑھا ہونا، اعمال کا میزان میں رکھا جانا، پل صراط — کی وہ توجیہ ہے جو ان کی حقیقت کو مجسم کیے بغیر محض استعارہ بھی قرار نہیں دیتی۔

عالمِ مثال کی خصوصیات

اس عالم کی چند نمایاں خصوصیات شاہ صاحب کی تشریحات سے سامنے آتی ہیں۔ پہلی یہ کہ [illegible] دوری و نزدیکی جسمانی فاصلے جیسی نہیں ہوتی؛ روح ایک لحظے میں دور دراز کے مناظر دیکھ سکتی ہے۔ دوسری یہ کہ یہاں صورتیں حقیقت کے تابع ہوتی ہیں: جیسی روحانی کیفیت، ویسی صورت۔ تیسری یہ کہ یہاں زمان و مکان کی گرفت ڈھیلی ہوتی ہے، اس لیے ماضی و مستقبل کے واقعات بھی صورت پاکر سامنے آسکتے ہیں، جیسا کہ خوابوں میں دیکھا جاتا ہے۔ چوتھی یہ کہ [illegible] انسان کا ایک بدنِ مثالی بھی ہوتا ہے جو روح اور جسم کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہے اور خواب میں سیر و تجربے کی حالت اسی سے متعلق ہے۔

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ اس عالم میں نوعی صورتیں قائم رہتی ہیں: ہر نوع کی ایک مثالی صورت ہوتی ہے جس سے اس نوع کے افراد کا تعلق رہتا ہے۔ شاہ صاحب نے نسلِ انسانی کے اجتماع، ملاءِ اعلیٰ اور حظیرۃ القدس جیسی بحثوں کو بھی اسی عالم سے جوڑا ہے۔ ان خصوصیات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ عالم حواس کی گرفت میں سارا نہیں آتا، اس لیے اس کی تفصیلات وہی مانی جائیں گی جو وحی اور اہلِ بصیرت کے مشاہدے سے ثابت ہوں؛ اپنی طرف سے قیاس آرائی عبث ہے۔

انسان، خواب اور برزخ سے اس کا تعلق

روزمرہ زندگی میں عالمِ مثال سے سب سے عام رابطہ خواب ہے۔ جب نیند میں حواسِ ظاہری معطل ہو جاتے ہیں تو روح بدنِ مثالی کے ساتھ اس عالم کی سیر کرتی ہے اور جو کچھ دیکھتی ہے وہی خواب کہلاتا ہے۔ سچے خواب میں روح حقیقی صورتیں دیکھتی ہے، جبکہ ذہنی منتشر خیالات اور جسمانی اثرات سے خواب مخلوط بھی ہو جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے نبوت کے خوابوں، وحی کی ابتداء خواب سے ہونے اور صالحین کے رویائے صادقہ کی یہی توجیہ بیان کی ہے۔

موت کے بعد کی زندگی یعنی برزخ کا تعلق بھی اسی عالم سے ہے۔ روح جسم سے جدا ہو کر مثالی قالب میں برزخی زندگی گزارتی ہے؛ اعمال کی صورتیں اس کے سامنے آتی ہیں، اور نعمت و عذاب کا تجربہ اسی عالم کے ضابطے سے ہوتا ہے۔ اس تشریح سے ایک اشکال بھی دور ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے جزا کیسی ہوگی جب ابھی جسم مٹی میں ہے: جواب یہ ہے کہ برزخ مثالی عالم ہے جہاں صورت کے لیے اس ظاہری جسم کا قائم ہونا شرط نہیں۔ اسی طرح دعا کی تاثیر، توجہِ ارواح اور نیک اعمال کے نور کا مرنے والوں تک پہنچنا بھی اس نظام سے سمجھایا گیا ہے۔

دینی تفہیم میں عالمِ مثال کی اہمیت

اس مبحث کی امت مسلمہ کے فکری نظام میں بڑی اہمیت ہے۔ ایک طرف وہ لوگ تھے جو آخرت کے احوال کو خالص استعارہ قرار دے کر ان کی حقیقت ختم کر دیتے تھے، دوسری طرف وہ تھے جو انہیں بالکل اسی مادی ضابطے سے ناپتے تھے جس سے بے شمار اشکالات پیدا ہوتے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے درمیانی راہ دکھائی: احوالِ آخرت حقیقی ہیں مگر ان کی کیفیت عالمِ مثال کے ضابطے سے ہے؛ عقل انہیں ناممکن نہیں کہہ سکتی، کیونکہ خواب میں روز ہر انسان ایسی کیفیت کا جزوی تجربہ کرتا ہے جس میں بے جسمی صورتیں پوری وضاحت سے موجود ہوتی ہیں۔

عملی فائدہ یہ ہے کہ انسان کی نظر اپنے اعمال کی صورتوں پر رہتی ہے: وہ جانتا ہے کہ نماز، صدقہ اور حسنِ خلق اس کے لیے نورانی صورتیں بن کر ذخیرہ ہو رہے ہیں اور ظلم و گناہ تاریک صورتوں کی شکل میں اس کے سامنے آنے والے ہیں۔ یہ شعور انسان کو لاپروائی سے نکال کر تربیتِ نفس کی طرف لے جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی لازم ہے کہ اس موضوع کو قصے کہانیوں کی سیر نہ بنایا جائے؛ اصل مقصد وحی کے بیان کردہ حقائق کی عقل کے سامنے قابلِ فہم صورت پیش کرنا ہے، اور یہی حجۃ اللہ البالغہ کا اسلوب ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ عالمِ مثال شاہ ولی اللہ کے نظام میں عالمِ ارواح اور عالمِ اجساد کے درمیان وہ واسطہ عالم ہے جہاں معانی صورتیں اختیار کرتے ہیں، خواب و برزخ کے احوال وقوع پذیر ہوتے ہیں اور اعمال اپنے مثالی قالبوں میں محفوظ ہوتے ہیں۔ اس مبحث سے جزا و سزا، خواب، وحی کی تمثیلات اور احوالِ قبر جیسے بنیادی عقائد کی معقول و مربوط توجیہ ملتی ہے۔

طالب علم کو چاہیے کہ وہ اسے وحی کی حدود میں رہ کر سمجھے: نہ اسے محض خیال قرار دے کر عقائد کی حقیقت اڑادے، اور نہ اسے مادی پیمانوں سے ناپ کر اشکالات پیدا کرے؛

یہی اعتدال شاہ ولی اللہ کی علمی میراث ہے۔

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com